۶ انسپکٹر جنرل

اِدارہ

پیشِ درس

ڈراما زندگی کی نقالی کا نام ہے۔ زندگی میں ہونے والے واقعات اسٹیج پر پیش کیے جائیں تو یہ ڈراما کہلاتا ہے۔ اُردو میں بہت سی دوسری زبانوں کے ڈرامے بھی ترجمہ کیے گئے ہیں۔ وی.وی. شرواڈکر کا مراٹھی ڈراما 'نٹ سمراٹ' اور موہن راکیش کا ہندی ڈراما 'آدھے ادھورے' اس کی مثالیں ہیں۔

'انسپکٹر جنرل' مشہور روسی ادیب نکولائی گوگول کا ڈراما ہے۔ اسے روسی زبان کا شاہکار تسلیم کیا جاتا ہے۔ دنیا کی تقریباً ساری زبانوں میں اس ڈرامے کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس پر کئی زبانوں میں فلمیں بھی بنی ہیں۔ یہ ڈراما دفتر شاہی پر گہرا طنز ہے۔ ایک شاہی افسر بستی کے معائنے کے لیے آنے والا ہے جس کی خبر بستی کے مختلف محکموں کے کارندوں کو ملتی ہے۔ چونکہ تمام محکمے بدعنوانی اور بدانتظامی کا شکار ہیں اس لیے سارے افسران گھبرائے ہوئے ہیں۔ اس گھبراہٹ میں وہ ایک جعل ساز کو انسپکٹر جنرل سمجھ کر اس کی خوب مُدارات کرتے اور اسے نذرانے پیش کرتے ہیں۔

یہ ڈراما طنز و مزاح کا عمدہ نمونہ ہے۔ اس کا ترجمہ نہایت سلیس اور عام فہم ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے، پورا ڈراما ہمارے آس پاس ہی واقع ہو رہا ہے اور ڈرامے کے سارے کردار ہمارے جانے پہچانے ہیں۔ ترجمہ کرتے وقت اس کے کرداروں اور مقامات کے نام تبدیل کر دیے گئے ہیں تاکہ اس میں مقامی رنگ پیدا ہو جائے۔

کردار

میئر | جج | ڈائرکٹر (اسپتالوں کا) | پوسٹ ماسٹر | سپرنٹنڈنٹ (تعلیمات) |
نمبردار۔ فضلو اور ببلو | مرزا تیمور شاہ (جعلی انسپکٹر) | جمّن (تیمور شاہ کا نوکر)

(پردہ اُٹھتا ہے۔ پس منظر موسیقی۔ کمرے میں میئر، جج، سپرنٹنڈنٹ، ڈائرکٹر بیٹھے ہوئے ہیں)

میئر : دوستو! آج یہ ضروری میٹنگ میں نے اس لیے طلب کی ہے کہ ہمارے شہر پر بہت بڑی آفت نازل ہونے والی ہے۔

سب ایک ساتھ : کیا ہوا میئر صاحب؟

میئر : راجدھانی سے ایک انسپکٹر جنرل شہر کے معائنے کے لیے آنے والا ہے۔

جج : (گھبرا کر) انسپکٹر جنرل؟

میئر : جی ہاں، جج صاحب۔ اس کے پاس حکومت کی خفیہ ہدایات ہوں گی۔ وہ سادہ لباس میں رہے گا تاکہ اسے کوئی پہچان نہ سکے۔

سپرنٹنڈنٹ : آپ کو کیسے اطلاع ملی میئر صاحب؟

میئر : راجدھانی سے میرے ایک دوست نے مجھے خط لکھا ہے۔ ابھی ابھی مجھے وہ خط ملا ہے۔ (اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے) سب آ گئے مگر پوسٹ ماسٹر صاحب غائب ہیں۔

جج : صورتِ حال واقعی بڑی نازک ہے۔

میئر : یقیناً۔ میں نے اپنے طور پر کچھ احتیاطی تدبیریں کی ہیں۔ آپ لوگوں کو بھی میرا یہی مشورہ ہے۔ خاص طور پر ڈائرکٹر صاحب!

ڈائرکٹر : جی! میئر صاحب۔

میئر : آپ خیراتی اسپتالوں پر توجہ فرمائیں۔ معائنہ کرنے والے افسران عام طور پر سب سے پہلے اسپتالوں اور خیراتی اداروں کو دیکھا کرتے ہیں۔

ڈائرکٹر : میں آپ کے مشورے پر سر بسر عمل کرنے کے لیے تیار ہوں۔ (گڑگڑاتے ہوئے) مگر خدا کے لیے اس انسپکٹر جنرل سے جان بخشی کروائیے۔

میئر : آپ کو فوراً تمام مریضوں کے لیے اُجلی چادروں کا انتظام کرنا چاہیے۔

ڈائرکٹر : میئر صاحب! اتنی چادروں کا انتظام ہونا مشکل ہے۔

میئر : مریضوں کی تعداد کم دِکھائیے۔ پوچھیں تو بتانا، یہاں اسپتال میں مریض بہت جلد اچھے ہوکر چلے جاتے ہیں اور خدا کے لیے برآمدے میں سڑے گلے آلو، ٹماٹر، پھل فروٹ کے ڈھیر کو ہٹانے کا بندوبست کرلیجیے۔ اور اسپتال میں چاروں طرف اچھی طرح فنائل کا چھڑکاؤ کیجیے۔ (جج سے مخاطب ہوکر) اور جج صاحب!

جج : جی، میئر صاحب!

میئر : آپ بھی ذرا اپنی عدالت کے کمروں کی طرف دھیان دیں۔ عدالت کے کمرے سے بطخ کے بچے ہٹوا دیجیے۔ آخر عدالت میں بطخوں کا کیا کام؟

جج : جنابِ والا! اہلِ معاملہ کو ان سے کوئی خاص تکلیف نہیں تھی اس لیے وہاں پالے جاتے تھے۔ آج ہی سب کو باورچی خانے بھجوادوں گا۔ جی چاہے تو رات کا کھانا میرے ساتھ کھائیے۔

میئر : کھانا وانا ہوتا رہے گا۔ عدالت کے احاطے میں میلے کپڑے بھی دھوکر سکھانے کے لیے لٹکائے جاتے ہیں اور وہ آپ کا پیش کار جس کے بدن سے ایسی سڑاند پھوٹتی ہے کہ کمرے میں ٹھہرنا دوبھر ہوجاتا ہے، اسے نہانے کی سخت تاکید کیجیے۔ باقی بدعنوانیاں آپ سمجھیں!

جج : بدعنوانی تو کوئی نہیں حضور! ساری دنیا کو معلوم ہے کہ میں رشوت نہیں لیتا۔ البتہ کچھ تحفے قبول کرلیتا ہوں۔

میئر : تحفوں کا شمار بھی رشوت ہی میں ہوسکتا ہے۔ اب آپ تحفے لینا بھی بند کردیجیے یا کم سے کم، کم کردیجیے۔

جج : جو حکم سرکار!

میئر : (سپرنٹنڈنٹ سے مخاطب ہوکر) اور ہاں، سپرنٹنڈنٹ صاحب! آپ کو اپنی اسکول کے ماسٹروں پر خاص توجہ کرنی ہوگی۔ کوئی وقت پر نہیں آتا۔ اسکول میں بچے ہلڑ مچاتے رہتے ہیں۔ اور ہاں! آپ کا وہ ایک ٹیچر! بار بار منہ کیوں بناتا ہے؟ لڑکوں کے لیے تو خیر ٹھیک ہے مگر ہر آنے جانے والا سمجھتا ہے کہ وہ اس کو منہ چڑا رہا ہے۔ میرے پاس کئی

شکایتیں آ چکی ہیں۔

سپرنٹنڈنٹ : کیا بتاؤں میئر صاحب! میں خود کئی بار اسے منع کر چکا ہوں مگر وہ کہتا ہے، میرا منہ ہی ایسا ہے۔

میئر : اور وہ تاریخ پڑھانے والا ٹیچر، اس کو تو ٹیچر ہونے کی بجائے سرکس کا رِنگ ماسٹر ہونا چاہیے تھا۔ سکندرِ اعظم کا سبق پڑھاتے ہوئے کرسی اُٹھا کر فرش پر دے ماری۔ گلاس اُٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔ یہ کیا تُک ہے؟

سپرنٹنڈنٹ : اسے سمجھایا تو کہنے لگا، میں عملی طور پر درس دیتا ہوں۔

میئر : اور پوسٹ ماسٹر صاحب کہاں ہیں بھائی! ابھی تک ان کا پتا ہی نہیں!

(پوسٹ ماسٹر صاحب کمرے میں داخل ہوتے ہوئے)

پوسٹ ماسٹر: میئر صاحب! بندہ حاضر ہے۔ سب لوگ جمع ہیں، کیا بات ہے؟ ابھی راستے میں پوسٹ مین ملا تھا۔ اس نے بتایا کہ کوئی انسپکٹر جنرل آ رہا ہے۔

میئر : جی ہاں! خبر تو یہی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہیں کسی نے میری شکایت حکومت کو نہ لکھ بھیجی ہو۔ آپ ذرا آنے جانے والی ڈاک پر نگاہ رکھیں۔ میرا مطلب ہے ہر ایک خط کو ذرا سا کھول کر...

پوسٹ ماسٹر: (بات کاٹ کر) میں سمجھ گیا۔ آپ اطمینان رکھیے، میئر صاحب! احتیاط کی تو چھوڑیے، میں تو شوقیہ بھی ہر ایک خط کو کھول کر پڑھ لیتا ہوں۔

(اتنے میں دروازہ دھماکے سے کھلتا ہے۔ نمبردار فضلو آتا ہے۔ اس کے پیچھے ببلو ہے)

فضلو : غضب ہو گیا میئر صاحب! غضب ہو گیا!

میئر : ابے فضلو! اتنا گھبرایا ہوا کیوں ہے؟ کیا کہیں کوئی بم وم پھٹا ہے!

ببلو : (ہانپتے ہوئے) بم ہی سمجھیے میئر صاحب!

میئر : ابے! آگے بھی تو کچھ بول!

(ببلو بولنے کے لیے منہ کھولتا ہے۔ فضلو اسے پیچھے دھکیلتے ہوئے)

فضلو : میئر صاحب! بات یہ ہے میئر صاحب کہ میں اور ببلو کھانا کھانے ہوٹل میں گئے تھے۔

ببلو : ٹھہر جا! میں بتاتا ہوں!

میئر : ارے کم بختو! خدا کے لیے کچھ منہ سے تو پھوٹو یا یوں ہی دھکم پیل کرتے رہو گے۔

ببلو : بھوک لگی تھی۔ ہم لوگ کچھ کھانے کے لیے جیسے ہی ہوٹل میں پہنچے، ایک خوب صورت نوجوان...

فضلو : (اس کی بات کاٹ کر) اور سادہ کپڑے پہنے ہوئے، گورا چٹا، گھنگھریالے بال اور نوک دار مونچھیں!

ببلو : ہم نے جب منیجر سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ نوجوان سرکاری افسر ہے اور دو ہفتوں سے ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہے۔ نام اس کا مرزا تیمور شاہ ہے۔

فضلو : اور سرکار! خاص بات یہ ہے کہ وہ ہر چیز اُدھار مانگتا ہے۔

بلو : میرے اوپر تو سنتے ہی بجلی گر پڑی کہ ہو نہ ہو یہ وہی انسپکٹر جنرل ہے جو بھیس بدل کر آنے والا ہے۔

فضلو : مجھے بھی پورا یقین ہے میئر صاحب! اس کی آنکھیں اتنی تیز ہیں کہ پوچھیے مت! میں مچھلی کھا رہا تھا۔ اس نے گزرتے گزرتے کنکھیوں سے دیکھ لیا کہ میں کیا کھا رہا ہوں۔

میئر : روم نمبر بھی معلوم ہے اس کا؟

بلو : روم نمبر ۵۔ اور دو ہفتے سے وہیں جما ہوا ہے۔

میئر : میرے خدا! اب کیا ہوگا۔ ان ہی دو ہفتوں میں تو قیدیوں کو راشن نہیں ملا! لیمپ پوسٹوں کے بلب غائب ہیں۔ سڑکوں پر کوڑے کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ میرے مالک! میرے اوپر رحم فرما!... میں سوچتا ہوں (سوچتے ہوئے) ٹہلتا ہوا ہوٹل کی طرف نکل جاؤں۔ میئر کی حیثیت سے میرا فرض ہے کہ پتا لگاؤں کہ کسی آنے جانے والے کو کوئی تکلیف تو نہیں۔ بلو! کوتوال سے کہو، گاڑی تیار کرے۔

(فیڈ آؤٹ)

پس منظر میں موسیقی

(فیڈ اِن)

دوسرا منظر

(ہوٹل کا کمرہ۔ مرزا تیمور شاہ کھانا کھا رہا ہے۔ میز کے سامنے اس کا نوکر جمن ہاتھ باندھے کھڑا ہے)

تیمور شاہ : یہ کھانا دیا کم بخت ہوٹل والے نے! (پلیٹ سے ایک چھیچھڑا اُٹھا کے دِکھاتے ہوئے) یہ انسانوں کی غذا ہے یا جانوروں کا راتِب۔ چباتے چباتے ڈاڑھوں میں درد ہونے لگا۔ پتھر کنکر بھی کوئی کھا سکتا ہے۔ جاؤ! اس کے منہ پر پھینک آؤ یہ کھانا۔

جمّن : یہ بھی بڑی مشکل سے دیا ہے سرکار! پہلے پچھلا بل ادا کرو تب کھانا ملے گا، ورنہ نہیں۔ کہہ رہا تھا کہ میں ابھی میئر کے پاس جا کر شکایت کرتا ہوں۔ بیٹا! اس کو جیل کی ہوا نہ کھلائی تو نام نہیں۔

تیمور شاہ : کیسا ذلیل شہر ہے یہ بھی کم بخت! ذرا سی چیز بھی ادھار دینے کے لیے آنا کانی۔ ارے! دے دیں گے پیسے۔ کیا بھاگے جا رہے ہیں؟ چور اُچکے ہیں؟

جمّن : سرکار! آخر کب تک کوئی ادھار دے آپ کو۔ دو ہفتے ہو چکے ہیں۔ آپ تو ہر ایک کے ساتھ تاش کھیلنے بیٹھ جاتے ہیں۔ جو کچھ تھا، سب ہار چکے ہیں۔ یہ نہ بھولیے! آپ ایک معمولی کلرک ہیں۔ کوئی بادشاہ تو نہیں ہیں! اس طرح اُدھار مانگ مانگ کر کھانے سے کام نہیں چلے گا۔ اب گھر چلیے۔

تیمور شاہ : ابے، تو میرا نوکر ہے یا ہوٹل والے کا! کم بخت مجھے نصیحت کرتا ہے۔ جا، منیجر سے کہہ، تازہ کھانا بھیجے۔

جمّن : حضور! وہ کہتا ہے اور کچھ تیار نہیں۔

تیمور شاہ : جھوٹا! دغا باز! فریبی! میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ دو آدمی بیٹھے مزے میں مچھلی پلاؤ کھا رہے تھے اور یہ

(پیالے کی طرف اشارہ کر کے) مجھے شوربا دیا ہے یا نمک کا پانی! یہ چڑیوں کے پر اس میں تیر رہے ہیں۔

جمّن : تو لائیے، واپس کر دوں۔

تیمور شاہ : بدتمیز! یہ بھی واپس کر دے گا تو میں کیا کھاؤں گا۔ جا! جا کر منیجر سے کچھ اور بھیجنے کا کہہ۔

(فیڈ آؤٹ)

موسیقی

(فیڈ اِن)

(تیمور شاہ اسی طرح میز پر بیٹھا ہے اور ٹیبل پر رکھی تھالی سے ایک ایک چیز کو اُٹھا کر دیکھتا ہے اور رکھ دیتا ہے)

جمّن : (آتا ہے) سرکار! پلیٹ ہٹا دیجیے۔ میئر صاحب آئے ہیں اور آپ کے بارے میں کچھ پوچھ رہے ہیں۔

(جمن خود پلیٹ ہٹا دیتا ہے)

تیمور شاہ : (گھبرا کر تولیے سے ہاتھ پونچھتے ہوئے کھڑا ہو جاتا ہے) منیجر کا بچہ! آخر نہیں مانا۔ کم بخت نے میئر سے شکایت کر ہی دی!

(اتنے میں دروازے پر دستک ہوتی ہے)

تیمور شاہ : کون؟

(دروازہ کھلتا ہے اور میئر اندر آتا ہے)

میئر : آداب عرض۔ ناچیز شہر کا میئر ہے۔ میئر کی حیثیت سے یہ دیکھنا میرا فرض ہے کہ شہر میں آنے جانے والوں کو کسی قسم کی تکلیف تو نہیں۔

تیمور شاہ : کیا عرض کروں، میئر صاحب! دراصل گھر سے میرا منی آرڈر نہیں آیا ہے۔ جیسے ہی میرا روپیا آئے گا، میں اس کم بخت کا بل ادا کر دوں گا۔ یہ ہوٹل والا بھینس کی چمڑی کی طرح سخت گوشت دیتا ہے اور شوربا مچھلی کا پانی۔ چائے سے مچھلی کی بو آتی ہے۔

میئر : (گھبرا کر) مگر اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے، حضور! بازار میں بکنے کے لیے جو گوشت آتا ہے، وہ سب عمدہ اور تندرست جانوروں کا ہوتا ہے۔ پتا نہیں، ہوٹل والا کہاں سے گوشت لاتا ہے۔ میری رائے میں آپ کسی اور جگہ رہنے کا انتظام کر لیجیے۔

تیمور شاہ : میں کسی کو نہیں چھوڑوں گا۔ آخر میں گورنمنٹ کا ملازم ہوں۔ سیدھا وزیرِ اعظم تک فریاد لے کر پہنچوں گا۔

میئر : (دونوں ہاتھ جوڑ کر گڑگڑاتے ہوئے) مجھ پر رحم کیجیے حضور! میں بیوی بچوں والا آدمی ہوں۔

تیمور شاہ : (لاپروائی سے) ٹھیک ہے، ٹھیک ہے!

میئر : مجھے معاف فرمائیے۔ آپ جانتے ہیں، ہمیں حکومت سے گرانٹ کم ملتی ہے۔ میری تنخواہ تو چائے پانی کے لیے بھی کافی نہیں ہوتی۔ میں رشوت نہیں لیتا۔ کبھی کبھی گھر کے لیے کوئی چیز یا سوٹ کا کپڑا کوئی دے جاتا ہے۔ میں نے کسی کو کوڑے نہیں لگائے۔ میرے دشمنوں نے یہ خبر اُڑائی ہے۔

تیمور شاہ : میرا کسی سے کوئی تعلق نہیں۔ (منہ دوسری طرف کرکے) آپ جانا چاہیں تو جا سکتے ہیں۔

میئر : (جھجکتے ہوئے) حضور! چھوٹا منہ بڑی بات۔ اگر آپ کو روپے پیسے کی دِقت ہو تو بندہ حاضر ہے!

تیمور شاہ : (لا پروائی سے) شکریہ شکریہ! اگر آپ کچھ دینا ہی چاہتے ہیں تو دو سو روپے کا انتظام کردیجیے تاکہ اس کم بخت ہوٹل والے کا بل چکا سکوں۔

میئر : لیجیے (پیسے دیتے ہوئے) پورے دو سو روپے ہیں۔ گننے کی ضرورت نہیں۔

تیمور شاہ : شکریہ۔ جاگیر پہنچتے ہی آپ کی رقم بھجوا دوں گا۔

میئر : کوئی بات نہیں۔ مجھے شرمندہ نہ کیجیے۔ ویسے اگر گستاخی نہ ہو تو میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کس علاقے کے جاگیردار ہیں؟

تیمور شاہ : چندن واڑی کے علاقے میں میری جاگیر ہے۔ میں قصبوں میں نہیں رہ سکتا۔ مجھے شہر پسند ہیں۔

میئر : آپ نے بجا فرمایا۔ شہروں کی رونقیں الگ ہی ہوتی ہیں۔ ویسے آپ یہاں آرام سے تو ہیں نا؟

تیمور شاہ : آرام! اس کمرے کو دیکھتے ہیں۔ مویشیوں کا باڑا معلوم ہوتا ہے۔ مچھر اور کھٹمل کتوں کی طرح کاٹتے بھنبھوڑتے ہیں۔ دم گھٹتا ہے میرا یہاں! ایک ہی کھڑکی ہے۔ مچھروں کے ڈر سے وہ بھی بند رکھتا ہوں۔

میئر : افوہ! ایسے معزز مہمان کو اتنی مصیبتوں کا سامنا! میں آپ کی کیا مدد کرسکتا ہوں؟

تیمور شاہ : ٹھیک ہے۔ ضرورت پڑنے پر یاد کرلوں گا۔

میئر : اچھا... اب مجھے اجازت دیجیے۔

(میئر جاتا ہے اور جمن اندر آتا ہے)

جمّن : سرکار! بستی کے کچھ معزز لوگ آپ سے ملنے آئے ہیں۔

تیمور شاہ : کون ہے یار! اچھا... ایک ایک کرکے بھیجو۔

(جمن جاتا ہے اور جج اندر آتا ہے)

جج : (دروازے میں کھڑے ہو کر ادب سے) حضور! میں باریابی کی اجازت چاہتا ہوں۔ ضلع عدالت کا جج ہوں۔

تیمور شاہ : آیئے، آیئے! آپ یہاں کے جج ہیں؟

جج : جی، جی! پچھلے تین برس سے مجھے اس عظیم عہدے کا مستحق سمجھا گیا ہے۔

تیمور شاہ : آپ کی مٹھی میں کیا ہے؟

جج : (گھبرا کر) جی، جی، کچھ بھی نہیں... یہ کچھ حقیر سا نذرانہ...!

تیمور شاہ : یہ تو نوٹ ہیں۔ بالکل کڑک نوٹ!

جج : بس وہ...

تیمور شاہ : ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ میں سمجھ گیا۔ ہم نذرانہ وزرانہ نہیں لیتے۔ یہ روپے ہمیں آپ قرض کے طور پر دے دیں۔

جج : آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔ میں ہمیشہ اپنے سے بڑے افسروں کی خدمت کرنا فرض سمجھتا ہوں۔ مجھے اجازت دیجیے۔

(جج جاتا ہے اور پوسٹ ماسٹر اندر آتا ہے)

پوسٹ ماسٹر: (سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے) حضور! میں اندر آ سکتا ہوں؟ میں ضلع کا پوسٹ ماسٹر ہوں۔

تیمور شاہ : آیئے، آیئے! مجھے آپ سے ایک شکایت ہے۔

پوسٹ ماسٹر: (گھبرا کر) جی جی، سرکار! حکم دیجیے۔

تیمور شاہ : ارے بھائی! ہماری جاگیر سے ہمیں منی آرڈر بھیجا گیا ہے۔ پندرہ دن ہو گئے، اب تک نہیں ملا۔ آخر ایک منی آرڈر آنے میں پندرہ دن کی دیری کیوں؟

پوسٹ ماسٹر: حضور! اب کیا بتاؤں؟ منی آرڈر آتے ہی پہلی فرصت میں آپ تک پہنچا دیا جائے گا۔ اگر اس وقت آپ کو کچھ دِقت ہو تو حکم کیجیے۔ خدمت کے لیے حاضر ہوں۔

تیمور شاہ : ایک تین سو روپے دے دیجیے۔ جاگیر واپس جاتے ہی لوٹا دوں گا۔

(پوسٹ ماسٹر پیسے دیتا ہے اور اُلٹے قدموں لوٹ جاتا ہے۔ تیمور شاہ نوٹوں کو ہوا میں اپنے چہرے کی طرف پنکھے کی طرح لہراتے ہوئے مسکراتا ہے۔ اتنے میں ڈائرکٹر اندر آتا ہے۔ تیمور جھٹ سے نوٹیں پیچھے چھپالیتا ہے)

تیمور شاہ : آپ کی تعریف؟

ڈائرکٹر : جی، میں یہاں کے سرکاری اسپتالوں کا ڈائرکٹر ہوں۔ میں اپنے فرض کی انجام دہی میں ذرا کوتاہی نہیں برتتا۔ یہ پوسٹ ماسٹر البتہ مفت کی تنخواہ کھاتا ہے۔ ہفتوں ڈاک پڑی سڑتی رہتی ہے۔ جج کا بھی یہی حال ہے۔ اسے کتے اور بطخیں پالنے کا شوق ہے۔ قوم کی بھلائی کے واسطے یہ ضروری ہے کہ یہ باتیں آپ کے علم میں لائی جائیں۔

تیمور شاہ : ضرور، ضرور! مگر اس وقت نہیں۔ ہمیں جب فرصت ملے گی تو ہم بولیں گے۔ ہم اس وقت ایک مخمصے میں پھنسے ہیں۔

ڈائرکٹر : اگر بندے کو اس قابل سمجھیں تو بتائیں کیا بات ہے؟

تیمور شاہ : ارے بھائی! منی آرڈر نہیں آیا ابھی تک ہمارا۔ کچھ پیسوں کی ضرورت تھی۔ کسی سے مانگتے ہوئے اچھا نہیں لگتا۔

ڈائرکٹر : کمال کرتے ہیں سرکار (پیسے دیتا ہے) یہ لیجیے چار سو روپے ہیں۔ فی الحال اپنی ضرورت پوری کیجیے۔ آگے بھی بندہ کام آتا رہے گا۔ مجھے اجازت دیجیے۔ (چلا جاتا ہے)

تیمور شاہ : (روپے چومتے ہوئے جمّن کو آواز دیتا ہے) جمّن!

جمّن : جی سرکار!

تیمور شاہ : (ٹہلتے ہوئے کچھ سوچتا ہے پھر بولتا ہے) جمن! یہاں سرکاری افسران نے ضرور کچھ نہ کچھ گول مال کر رکھا ہے اور شاید یہ لوگ مجھے حکومت کا کوئی بڑا افسر سمجھتے ہیں۔ (ہنستا ہے) کیسے اوّل درجے کے احمق ہیں!

جمّن : سرکار! اب یہاں سے جلدی بھاگنے کی تیاری کیجیے۔ اگر بھید کھل گیا تو مصیبت آجائے گی۔

تیمور شاہ : ٹھیک ہے! تو اپنا سامان باندھنا شروع کر، میں تب تک اپنے دوست کو ایک خط لکھوں۔ یہاں کا احوال سن کر وہ بہت مزے لے گا۔

تیسرا منظر

(پہلے منظر والا کمرہ۔ تمام لوگ اسی طرح بیٹھے ہیں۔ اتنے میں پوسٹ ماسٹر گھبرایا ہوا آتا ہے)

پوسٹ ماسٹر: غضب ہو گیا دوستو! غضب ہو گیا! جس کو ہم انسپکٹر جنرل سمجھ رہے تھے، وہ تو ایک بہروپیا تھا۔

سب : کیا؟ انسپکٹر جنرل نہیں تھا؟

پوسٹ ماسٹر: جی ہاں! بالکل نہیں تھا۔ مجھے ابھی ایک خط سے پتا چلا ہے۔

میئر : کیا بکتے ہو؟ کس کا خط؟ کیسا خط؟

پوسٹ ماسٹر: ارے خود اس بہروپیے کا خط۔ اس نے اپنے دوست کو لکھا تھا، میں نے اس خط کو روک لیا کہ ذرا دیکھوں اس افسر نے ہماری کیا شکایتیں کی ہیں، میں نے خط کھول لیا۔

میئر : تم نے اتنے بڑے آدمی کا خط کھولنے کی ہمت کیسے کی؟ میں تمھیں گرفتار کروا دوں گا۔

پوسٹ ماسٹر: ذرا خط تو سن لیجیے۔ بعد میں جو کرنا ہے، کیجیے۔

سب ایک ساتھ: سناؤ، سناؤ۔ خط پڑھو۔

پوسٹ ماسٹر: (کھنکار کر خط پڑھتا ہے) میرے دوست کالو خان ابن لالو خان، میں تمھیں اپنے دلچسپ سفر کا حال لکھ رہا ہوں۔ میں سب کچھ ہار گیا تھا مگر یہاں شہر والوں نے میری شکل وصورت اور حلیے سے مجھے کوئی سرکاری افسر سمجھ لیا۔ سبھی نے مجھے خوب نذرانے پیش کیے۔ چاندی برس رہی ہے چاندی! عجیب لوگ ہیں یار! میئر تو اوّل درجے کا احمق ہے۔

میئر : جھوٹ! خط میں وہ یہ نہیں لکھ سکتا۔

پوسٹ ماسٹر: صاف لکھا تو ہے اوّل درجے کا احمق!

میئر : اب بار بار اسی بات کو دہرانے سے کیا فائدہ؟

پوسٹ ماسٹر: (خط زیرلب پڑھتا ہے۔ بلند آواز سے) یہاں میرے بارے میں گستاخی کی ہے۔

میئر : زور سے پڑھیے۔ زور سے پڑھیے۔

ڈائرکٹر : (اس کے ہاتھ سے خط لے کر) لائیے، میں پڑھتا ہوں (پڑھنا شروع کرتا ہے) پوسٹ ماسٹر عین مین ہمارے دفتر کے چنو چوکیدار سے ملتا جلتا ہے۔ شکل بالکل گھوگو جیسی (ڈائرکٹر رک جاتا ہے)

سپرنٹنڈنٹ: (اس سے خط لیتے ہوئے) لائیے، میں پڑھتا ہوں۔ (پڑھتا ہے) ڈائرکٹر اسپتال بالکل چُغد ہے۔ (اُنگلی سے سر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) اس کی بالائی عمارت بالکل خالی ہے۔ (سب ہنستے ہیں)

ڈائرکٹر : (اس سے خط لیتے ہوئے) یہ کیا مذاق ہے؟ لاؤ، میں پڑھتا ہوں۔ (پڑھتا ہے) سپرنٹنڈنٹ تعلیمات ایسا معطر انسان کہ بدن سے پیاز کی خوشبو آتی ہے اور جج ...

جج : (اس کے ہاتھ سے خط لے کر) اور جج پر لے سرے کا بدمعاش اور چار سو بیس ہے۔ لیکن مجموعی طور پر یہ لوگ بے وقوفی کی حد تک سیدھے سادے ہیں۔ تم ان کرداروں کو اپنی کہانی میں شامل کرنا۔ تمھارا... مرزا تیمور شاہ۔

میئر : بدمعاش! چور! دھوکے باز کہیں کا! ارے کوئی ہے، اس بدمعاش کو پکڑ لاؤ۔ میں اسے جان سے مار دوں گا۔

پوسٹ ماسٹر: اسے پکڑنا تو اب مشکل ہے۔ وہ تو تیز رفتار گاڑی میں کب کا فرار ہو چکا۔

میئر : افوہ! مجھے تو غارت کر گیا، کم بخت!

پوسٹ ماسٹر: میرے تو تین سو روپے ڈوب گئے۔

میئر : مگر یہ بتاؤ، سب سے پہلے ہمیں کس نے اطلاع دی اس کے بارے میں؟ کہاں ہیں ببلو اور فضلو؟

فضلو : (ایک کونے سے بولتے ہوئے) میں نے نہیں سر! ببلو نے اطلاع دی تھی۔

ببلو : جی نہیں میئر صاحب۔ فضلو نے بتایا تھا آپ کو۔

میئر : بکواس بند کرو۔

(اتنے میں دروازہ کھلتا ہے۔ دروازے میں بندوق بردار ایک سپاہی کھڑا ہے۔ سب حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہیں)

سپاہی : (رعب دار آواز میں) مرکزی حکومت سے بھیجے ہوئے سرکاری انسپکٹر جنرل تشریف لے آئے ہیں اور ہوٹل میں ٹھہرے ہیں اور آپ سب کو انھوں نے فوراً طلب کیا ہے۔

(سب حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ پردہ گرتا ہے)

معانی و اشارات

پیش کار	محرّر، منشی	عین مین	ہو بہو
بدعنوانی	بد دیانتی، ہیرا پھیری، رشوت خوری	گھوگو	بے وقوف
سر بسر	سراسر، پوری طرح	مخمصہ	اُلجھن

مشقی سرگرمیاں

* مناسب جملوں سے خاکہ مکمل کیجیے۔

میئر کے مشورے
- ....
- ....
- ....
- ....

* فضلو اور ببلو کے مکالموں کی روشنی میں شبکی خاکہ مکمل کیجیے۔

تیمور شاہ کا حلیہ

* تیمور شاہ نے اپنے دوست کالو خان ابن لالو خان کو جو خط لکھا اس میں ان عہدیداروں کو جس طرح یاد کیا ہے، وہ جملے لکھ کر خاکہ مکمل کیجیے۔

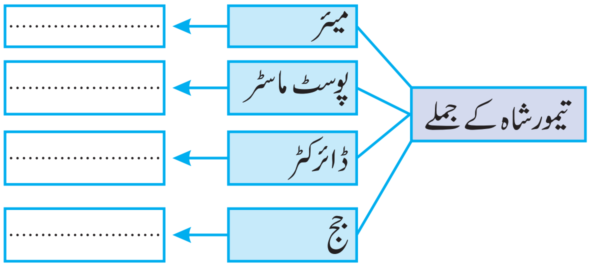

* ذیل کی سرگرمیاں ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ انسپکٹر جنرل سے میئر کے خوف زدہ ہونے کی وجہ لکھیے۔

۲۔ جج کی لاپروائی کو بیان کیجیے۔

۳۔ پوسٹ ماسٹر کے مکالمے کی روشنی میں پوسٹ ماسٹر کے کردار کو واضح کیجیے۔

۴۔ مرزا تیمور شاہ کی شخصیت پر نوٹ لکھیے۔

۵۔ ڈرامے کا مرکزی خیال واضح کیجیے۔

۶۔ ڈرامے کے پس منظر میں 'بڑی آفت' کو واضح کیجیے۔

۷۔ خیراتی اسپتال کے ڈائرکٹر کو میئر نے جو مشورے دیے، انھیں اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

۸۔ جج کے کمرے کی لفظی تصویر کشی کیجیے۔

۹۔ ''میں رشوت نہیں لیتا۔ البتہ کچھ تحفے قبول کر لیتا ہوں۔'' یہ جملہ کہنے والے کے حوالے سے اس پر اپنی رائے لکھیے۔

۱۰۔ اسکول کے ماسٹروں سے متعلق میئر کے بیان پر اتفاق یا اختلاف میں اپنا مشاہدہ قلم بند کیجیے۔

۱۱۔ اُن جملوں کو نقل کیجیے جن سے پتا چلتا ہے کہ میئر بھی بدعنوان ہے۔

۱۲۔ ڈرامے کے مختلف کرداروں پر تیمور شاہ کے تبصروں کو اپنے الفاظ میں لکھیے۔

۱۳۔ تیمور شاہ کے پاس جمع رقم اور دینے والوں کے نام لکھیے۔

۱۴۔ ذیل کے کرداروں پر مختصر نوٹ قلم بند کیجیے۔

(i) میئر (ii) تیمور شاہ

(iii) ڈائرکٹر (iv) پوسٹ ماسٹر

۱۵۔ ڈرامے کے سب سے زیادہ بدعنوان کردار پر روشنی ڈالیے اور اپنے انتخاب کا ثبوت تحریر کیجیے۔

۱۶۔ ڈرامے کے تینوں منظر کے اہم نکات قلم بند کیجیے۔

* ڈراما 'انسپکٹر جنرل' کے بارے میں اپنی ذاتی رائے تحریر کیجیے۔

* سرکاری محکموں کے افسران کی لاپروائی اور غیر ذمہ داری پر اپنی رائے لکھیے۔

* 'سو کام نکلتے ہیں خوشامد سے جہاں میں' اس عنوان پر مضمون قلم بند کیجیے۔

* رات وات/ کتاب وتاب - ان مثالوں میں دوسرا لفظ بے معنی ہے لیکن یہ پہلے بامعنی لفظ کی مناسبت سے لایا گیا ہے۔ ہماری زبان میں ایسے لفظوں کا بہت استعمال ہوتا ہے۔ ان مثالوں کو 'تابع مہمل' کہتے ہیں۔ ایسی مزید مثالیں بنائیے۔

اضافی معلومات

نکولائی گوگول : روسی زبان کے مشہور ادیب نکولائی گوگول ۳۱ مارچ ۱۸۰۹ء کو روس میں پیدا ہوئے۔ جب وہ پندرہ برس کے تھے، ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ گوگول نے اپنی ابتدائی تعلیم کے زمانے ہی میں ڈرامے لکھنے شروع کر دیے تھے۔ ۱۸۲۸ء میں تعلیم ختم کر کے وہ سینٹ پیٹرس برگ چلے آئے اور ایک شاعر کی حیثیت سے ادبی دنیا میں قدم جمانے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ اس کے بعد انھوں نے کہانیاں اور ڈرامے تحریر کیے۔ گوگول کی ان تخلیقات میں اُبھرنے والا طنز منفرد اور بے مثال تھا۔ ۱۸۳۴ء میں انھوں نے تاریخ کے ایک پروفیسر کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیں۔ انھوں نے جرمنی، سوئٹزرلینڈ، فرانس اور روم جیسے ملکوں کا سفر کیا اور مختلف زبانوں کے ادب کا مطالعہ کیا۔ ۴؍ مارچ ۱۸۵۲ء کو ان کا انتقال ہوا۔

گوگول روسی زبان کے ایک عظیم ادیب اور ڈراما نگار کی حیثیت سے عالمی پیمانے پر مشہور ہیں۔ انھوں نے سماجی ناہمواریوں اور ظلم و استحصال کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ ان کا ڈراما 'انسپکٹر جنرل' اس کی بہترین مثال ہے۔ گوگول نے اپنی تخلیقات میں حقیقت پسندی اور سماجی تنقید کے ساتھ طنزیہ پیرایہ اختیار کیا۔ اسی طرزِ تحریر اور طرزِ فکر کو مختلف زبانوں میں عالمی پیمانے پر اپنایا گیا۔ اوورکوٹ، ڈائری آف اے میڈ مین اور دَ گورنمنٹ انسپکٹر ان کی مشہور تخلیقات ہیں۔